انسانی فطرت کی نباض۔ عفراء بخاری
(منتخب افسانوں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)

AFRA BUKHARI: A KNOWER OF HUMAN NATURE
(CRITICAL AND RESEARCH STUDY OF SELECTED SHORT STORIES)

ڈاکٹر سہیل ممتاز خان
ایسوسی ایٹ پروفیسر (اردو)، لاہور
ڈاکٹر محمد کامران
ڈائریکٹر ادارہ زبان و ادبیات اردو
پنجاب یونیورسٹی لاہور

Abstract

"Afra Bukhari" is a distinguished Short story writer of our age, who in a subtle and delicate way, portrayed the true picture of human feelings and its nature. She is an ardent interpreter of human psyche and she really worked hard to analyze human mind and emotions, while expounding different situations of life, especially when it is in agony and distress. She never ceases her efforts to enumerate multiple traumas of life which our beleaguered society faces, daily or routinely. For this, she especially highlighted the very concerns of our downtrodden, lower class and their pathetic matters in which they are leading their lives from one generation to other. She rightly embarked on those parts of our society, which are vulnerable, the women and children. A number of stories are directly linked with this very cause and she masterly elaborated their problems, tragedies and our bitter behavior, towards them. We can witness a big division in her stories and that is, that sensitive, harmless and good nature people are being deceived, marginalized and suffered at the hands of cunning, shrewd and callous people. Afra has a unique blend of writing style and she tried to paraphrase human

nature and its jumble thinking in a lucid, impressive way. She cannot be overlooked in any way.

KEY WORDS: Afra Bukhari, Short Story, Agony, Distress, Psyche, traumas, Society, Downtrodden, Lower class, Women, Children, Human lives, Generation, Problems etc....

ادب، انسانی اذہان پر کس نوع کے اثرات مرتب کرتا ہے یا انسانوں کو کس طرح سے متاثر کرتا ہے؟ اس کا خوبصورت جواب شمیم حنفی مرحوم (م۔2021) نے اپنی گفتگو[1] میں کچھ یوں دیا:

IT MAKES MEN MORE THAN HUMAN BEINGS.

ادب، درحقیقت فکرِ انسانی کی منہاج ہے اور کائنات کی دیگر مخلوقات، اس ذہنی کدوکاوش سے ناآشنا ہیں یا اس کی جمع آوری پر قدرت نہیں رکھتیں۔ متن سے وابستگی، انسان کا وہ اختصاص ہے کہ جس کے سبب اشرف المخلوقات کے درجہ پر فائز ہے؛ بصورتِ دیگر، انسانوں اور حیوانوں میں تفرق، بسا اوقات ممکن ہی نہیں۔ آج بھی انسانوں کی کثیر تعداد، درجہ حیوانیت پر، زندگی کرنے کو آمادہ ہے۔ اس ضمن میں ہیرولڈ مورو شرمن[Harold Morrow Sherman ([1987-1898] کا یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے شعور کی نچلی سطح پر، حیوان ہے۔ یعنی ادب، شعور و آگہی کے ان حاصلات میں سے ہے جو انسانوں میں ترفع کی مختلف صورتیں مشخص کرتا ہے۔ ہر بڑا ادیب یہ جانتا ہے کہ ایک دن وہ نہ رہے گا لیکن اس کے الفاظ زندہ رہیں گے۔ فکر جتنی بلیغ وارفع ہوگی اور اس کی پیش کش میں جو ہنر برتا جائے گا اگر وہ متاثر کن ہوا، تو مدت تک حیات حاصل رہے گی ورنہ لاکھوں متون طاقِ نسیاں میں گم ہیں۔

عفراء نے بھی مقدور بھر جستجو کی کہ کہانیوں میں ان امور کا مذکور ہو جس سے نسل انسانی مستفید ہو اور وہ اپنی فکری بالیدگی کے لیے کچھ جتن کرے۔ وہ مصلح نہ تھی اور نہ براہِ راست بھاشن، جو دنیا کا سب سے آسان کام ہے، کی مُوئید تھیں۔ انھوں نے کہانیوں میں، نسلِ انسانی کی متعدد نفسی پرتوں کو تہہ در تہہ اٹھانے کی کوشش کی اور ہر کوشش میں انسانوں کی بہتر حیثیت کے امکانات روشن کیے۔ انسان کی بے توقیری، سفاکانہ خود غرضی، بے حسی، بے رحمی اور اسفل السافلین کے درجہ سے اوپر، بہت اوپر اٹھانے کی ایک جستجو، غیر محسوس انداز میں، ان کے ہاں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ افسانہ نگار کے پیشِ نظر کوئی ٹھوس فکری لائحہ عمل نہ ہو لیکن فن کار کا فن کلام کرتا ہے۔ وہ خود اپنے ہونے کا اور اپنی علت کا تلازماتی بیان درج کراتا ہے؛ اور بسا اوقات ایک ادیب یا فن کار اپنے کام کی جو توجیہ پیش کرتا ہے اس کی تخلیق یا فن پارہ، پڑھنے یا دیکھنے والے کو نئے امکانات کی اقلیم میں لا داخل کرتا ہے۔

ہم انسان، صحیح معنوں میں، ایک دوسرے سے مخلص کیوں نہیں ہوتے؟ ایک دوسرے کا درد کیوں نہیں سمجھتے؟ کیوں ہمارے اندر کا وحشی ہمہ وقت زندہ رہتا ہے؟ ہم اوروں پر ترس کیوں نہیں کھاتے؟ کون سی شے مانع ہے کہ ہم اچھا انسان بن نہیں پاتے؟ ہم جانتے بوجھتے کیوں خباثت کے راستوں کا انتخاب کرتے ہیں؟ انسانی زندگیوں کا احترام اور کمزور طبقات، خصوصاً بچوں اور خواتین کے حوالہ سے کیوں درشتی کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ان کی کہانیوں کے عقب سے جھانکتے ہیں، لیکن افسانہ کی معروضیت متاثر نہیں کرتے۔ اسی لیے ان کی کہانیاں، فنی اور تکنیکی اعتبار سے، مکمل اثر چھوڑتی ہیں اور ہمیشہ کے لیے یادداشت کا حصہ بن جاتی ہیں۔ کیا سینتالیس (47) کے پس منظر میں کہانی "میاں پترو" کو کبھی نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟ کہانی کیا ہے؟ انسانی درشتی اور بے بسی کا الاپ ہے جو کسی صورت ختم ہونے کو نہیں آرہا۔ آج بھی اس الاپ کی بازگشت ہے، اور سننے والوں کو سنائی دیتی ہے۔

افسانہ 'چھینٹ کا لحاف' میں عفراء کمال آسودگی سے زندگی کی سفاکانہ اذیت جو نچلے طبقے کی بے سمت زندگی کا ایک طرح سے ناگزیر جز ہے، بیان کرتی ہیں۔ نسوانی کرداروں کی سفاکانہ تذلیل اور ان کی محرومیوں سے جڑی یہ کہانی، متعدد متاثر کن نثری پیرائے لیے ہوئے ہے، جن میں زندگی کا نوحہ اپنی مکمل 'کربلائی' کا احساس دلاتا ہے، اور انسانی فکر کا پر اسرار عُمق بڑے رَسان سے سامنے آموجود کھڑا ہوتا ہے۔ انسانی محرومیاں انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہیں؟ ایک خوفناک صبر سے مملو یہ کہانی ہمیں دوسروں کے اندر ڈھنگ سے جھانکنے کا سلیقہ بتاتی ہے اور صحیح معنوں میں ایک دوسرے سے مخلص ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ انتظار حسین کے مانند، افسانے کے کہیں وسط میں عفراء کہانی کا حاصل کچھ یوں غیر محسوس طور پر بیان کرتی ہیں:

> "خود سے کچھ مانگنے کی اسے عادت نہ تھی نہ سلیقہ۔ البتہ وہ صبر و قناعت کے ساتھ لمبا انتظار کر سکتی تھی۔ مدتوں پہلے جب وہ اپنے میاں کے ساتھ زندگی ترس ترس کر گزار رہی تھی، اس نے سوچا تھا کہ اس کے پاس کوئی جادو کی چھڑی تو نہیں ہے مگر یہ بچے اس کے لیے جادو کی چھڑی ہیں۔ ایک دن وہ اسے گھما کر سب کچھ بدل ڈالے گی۔ وہ اپنی ماں کی طرح اپنا نصیب کسی کو نہیں دے گی۔ بچوں کو بڑا ہونے میں کافی دن لگے۔ لیکن اب، جب وہ بڑے ہو گئے تھے تو اسے معلوم ہوا کہ وہ اس جادو کی چھڑی کو گھمانا نہیں جانتی۔۔۔ وہ صرف رک کر، تھم کر، گرین لائٹ کا انتظار کر سکتی ہے۔ شاید وہ کسی روز اس کی گھمبیرتا سے اسے کھوج نکالیں۔"2

افسانے کا اسلوب، اپنے موضوع سے اس قدر ہم آہنگ ہے کہ ہر پیراگراف، قاری سے داد کا طالب ہے۔ ایک شاندار نثری پیرائے میں لف یہ کہانی، انسانی بے حسی پر ماتم کناں ہے۔

عفراء سماج کے مسخ یا شکستہ (DAMAGE) کرداروں کو اپنی کہانی کا مرکزہ بناتی ہیں۔ یہ وہ کردار ہیں جو کچھ تو حالات کے جبر کے سبب، ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں اور کچھ خود کو رائگاں کرتے، زندگی کی کم حیثیتی پر، آسودہ وشاکر ہیں۔ ایک ایسے ہی کردار سے جڑی کہانی، ہمارے سماج کے ان لوگوں سے مکالمہ کرتی ہے جو اپنی ازدواجی زندگی میں پیچیدہ جنسی تلذز کا شکار ہیں اور خود کو جانور کی سطح پر رکھنے کے باوجود، اپنے اس فعل سے بے خبر ہیں۔ افسانہ 'کفارہ' کا مرکزی کردار ایسے تمام مردانہ کرداروں کا نمائندہ ہے جن کی محبت، چارلس بکاسکی[(م CHARLES BUKOWSKI.1994)] کے نزدیک اوسط درجے کی ہے۔ یہ کردار اپنی بیوی کے نزدیک ہونے سے قبل، جنسی طور پر مشتعل ہونا چاہتا ہے۔ اس لیے تاریکی میں ایسے کرداروں کو کھوجتا ہے جن سے لذت کشید کرنا وہ معیوب نہیں جانتا۔ وہ اس امر سے بے خبر ہے کہ اس کا یہ فعل، اس کی بیوی کے لیے کس قدر تکلیف دہ ہے اور اس کا ہر بار بیوی سے ہم بستر ہونے سے قبل، کسی پسندیدہ شے کا لانا اور اس کا لوبھ دینا، حساس بیوی کے لیے کتنا مضحکہ خیز ہے۔ ایسے نزار کردار ہمارے سماج میں بکثرت ہیں جن پر منٹو نے بے دریغ لکھا۔ بچپن کے ایک واقعہ نے اس کی سائیکی پر منفی اثرات مرتب کیے۔ اس نے گھر کے افراد میں سے، شاید ماں باپ کو کچھ اس بے ربط حالت میں دیکھا جس کا بیان افسانے میں بھی تشنہ ہے اور پھر ذہنی طور پر، ہمیشہ کے لیے مفلوج ہو کر رہ گیا۔ وہ پیاس کی شدت سے تڑپ رہا تھا لیکن منظر دیکھنے کے بعد تشنگی کافور ہو گئی، اور اب وہ، بدلا ہوا انسان ہے۔ شادی کے بعد وہ خود کو جنسی حس سے محروم سمجھتا ہے لیکن رفتہ رفتہ خواتین میں بے لگام رغبت اس قدر بڑھا دیتا ہے کہ اس کی بیوی فرخندہ کو اس سے کراہت محسوس ہونے لگتی ہے۔ جنسی اشتعال کے لمحات اس کے لیے گرانقدر ہیں، اور بھڑکنے پر وہ فوراً بیوی کے نزدیک جانے کو بے قرار ہو جاتا ہے۔ سینما میں پچھلی سیٹ پر بیٹھی ایک کم نظر آنے والی دوشیزہ سے جنسی تحریک لیتے ہوئے جب وہ اچانک گھر جانے کا کہتا ہے تو بیوی فرخندہ اس کے ارادے بھانپ کر، اس کی صلاح رد کرتی ہے اور افسانہ کے آخر میں اُس کے اِس رویہ سے عاجز آن کر، اسے خود سے پرے دھکیل دیتی ہے۔ فرخندہ اور کلونت کور کا برتاؤ ایک طرح سے مماثل ہے کہ ایشر سنگھ جنسی صلابت سے محروم ہے اور فرخندہ کا شوہر غیر عورتوں سے انگیخت حاصل کرتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں، دونوں خواتین کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ وہ دونوں بھڑک چکی ہیں اور مقابل کے رویوں پر ایک طرح سے سیخ پا ہیں۔

عفراء کے فن سے یہ شے واضح ہے کہ زندگی میں حساس لوگ، ہمیشہ، غیر مہذب اور غیر ذمہ دار لوگوں کے سبب اذیت اٹھاتے ہیں۔ ایک طرف خلوصِ دل سے پیار کرنے والے لوگ ہیں اور دوسری طرف خود غرض اور بے حس افراد، جن کا دوسروں کی زندگیوں میں دخیل ایک نا مختتم عذاب ہے۔ افسانہ پڑھتے ہوئے

ٹی۔ایس۔ایلیٹ[(م۔1965 .T.S.Eliot)]کی نظم"The Hollow Men"کی چند لائنیں ذہن میں کوندنے لگتی ہیں:

"We are the hollow men

We are the stuffed men

Leaning together

Headpiece filled with straw. Alas!

Our dried voices, when

We whisper together

Are quiet and meaningless

As wind in dry grass"3

اب ذرا افسانے کی یہ سطور دیکھیے:

> "اس نے کئی بار اپنی ذہنی پیچیدگیوں کو سلجھانے کی کوشش کی مگر کبھی بھی ایک کڑی کو دوسری کڑی سے متصل نہ کر سکا۔ دراصل وہ گھنہ اور بزدل آدمی تھا اور خود اپنے آپ سے ڈرتا تھا اور بہت سی باتیں اپنے آپ پر ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا، اس لیے وہ اپنے تجزیے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ مضطرب اور پریشان تھا۔"4

یہ ہے آج کا انسان، جو اندر سے کھوکھلا ہے۔ اس کے اندر، اس کے وجود سے بھی بڑا خلا ہے اور وہ شرفِ انسانیت سے گریزاں ہے۔ افسانہ مسخ کرداروں کے ایک نمائندہ کو چنتا ہے اور اس کے نفسی تجزیہ میں بھرپور بیانیہ سینچ دیتا ہے۔ ایک نفسی کیفیت، دوسری نفسی کیفیت میں کیسے داخل ہوتی ہے۔ شعور کے اس بہاؤ(Stream of Consciousness)نے کیفیاتی مطابقت(Synchronization) کی دلآویز صورتیں مشخص کی ہیں۔'تنکے کا سہارا' میں عفراء انسان کی انھی نفسی کیفیات کو مرقوم کرتی ہیں جو بالتخصیص، ان کا فنی جوہر ہے۔ وہ مہین اور پیچیدہ انسانی رویوں کو، گیلے کپڑوں کی صورت الگنی پر پھیلاتی ہیں اور بیانیے کی حدت سے انھیں خشک کرتی ہیں۔ افسانہ میں ایک ایسے کردار کا پرسونا(Persona) پیش کیا گیا ہے جو یوں تو عذاب و ثواب کا وعظ دیتا ہے لیکن دل کے نہاں خانوں میں شادی شدہ 'زینب' کے لیے بے حد کشش محسوس کرتا ہے اور ایک طرح سے بزعمِ خود اس کا 'رکھوالا' بننے کی کوشش میں رسوا ہوتا ہے۔ زینب کی خفیف مسکراہٹ سمجھنے میں دشواری محسوس کرتا ہے، اور اس کے شوہر پنڈت سے پٹتا ہے۔ وہ اس امر پر حیران ہے کہ جس کے لیے مار کھا رہا ہے وہ اسے احمق سمجھ رہی ہے۔ اگرچہ افسانے کا موضوع بڑا نہیں لیکن فنی رچاؤ نے اسے اہم افسانہ بنا دیا ہے۔

افسانہ میں ایک کیفیت دوسری نفسی کیفیت میں کس رسان سے داخل ہوتی ہے یہ تکنیک انتہائی معیاری فلموں میں تو ضرور دیکھنے کو ملتی ہے لیکن فکشن میں اس کی بہترین مثالیں خال خال ہیں۔ فلم میں ڈائریکشن، کیمرہ اور ایڈیٹنگ ان تینوں کی جملہ مساعی سے ہم کسی ایسی کیفیت کو پردہ اسکرین پر دیکھتے ہیں اور داد دیے بغیر نہیں رہتے مگر فکشن رائٹر کے لیے کسی ایسی صورت کو پیش کرنا، جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ فکشن رائٹر اُس لمحے، لاشعوری طور پر ڈائریکٹر، کیمرہ مین، ایڈیٹر اور رائٹر ہوتا ہے:

"رحیم نے اپنی جھکی ہوئی چور نظروں کو ہولے ہولے اونچا کیا۔۔۔ پھٹی ایڑیوں والے پاؤں، ان پر پڑا ہوا شلوار کا ادھ میلا پائنچا، پھر قمیض کا داغ دھبوں والا گھیرا اور اس کے ساتھ ہی گود میں پڑے ہوئے کھردرے ہاتھ جن کے ناخن گھس چکے تھے اور ہتھیلیوں کی لکیریں گہری اور کالی ہو چکی تھیں۔ ان ہاتھ پیروں میں کوئی جاذبیت نہ تھی۔ مگر رحیم کا سانس انہیں دیکھ کر پھولنے لگا۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور ان پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ اس وقت اسے ایک بہت عجیب خیال آیا جیسے زینب نے خود اپنے اوپر سوت لانے کو اسے کہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو زینب جا چکی تھی اور اس کے ہاتھ اپنے ہی سینے پر پڑے تھے۔"5

افسانہ 'نجات' خواتین کی بے بسی اور بعض حوالوں سے، ذلت آمیز بے حیثیتی کو نمایاں کرتا ہے۔ سماج کے وہ لوگ جو اوروں کی نسبت مہذب اور حساس ہیں، اگرچہ اقلیت میں ہیں، کے لیے زندگی کرنا از خود ایک اذیت ہے۔ وہ سماج کا حصہ ہوتے ہوئے بھی، الگ تھلگ رہتے ہیں اور مسلسل ایک کڑھن میں زندگی کرتے ہیں۔ ارد گرد کی بے حسی اور بے رغبتی کا آسیب قائم رہتا ہے اور ایسے میں اپنے قریبی رشتوں کی بے التفاتی، خواہ وہ شوہر کا آزاری رویہ ہو یا سگی ماؤں کا معاندانہ سلوک۔ یہ وہ سہکتی اذیتیں ہیں کہ جس کے سبب کردار اپنی اساس یا ذات کا مرکزہ ہی گم کر دیتا ہے۔ اسے سمجھ نہیں آتی کہ وہ کیوں اور کیوں کر زندہ ہے؟ کیا کوئی ماں اس قدر بے حس اور سفاک ہو سکتی ہے؟ یہ احساس تمام عمر اینٹھن قائم رکھتا ہے اور نتیجتاً فرد میں نہ صرف خود سے مغائرت پیدا ہوتی ہے بلکہ اپنے متعلقین سے بھی اس کا تعلق، برائے نام رہ جاتا ہے۔ غرض یہ افسانہ ان افراد کی شدت سے ٹوٹ پھوٹ دکھانے میں کامیاب رہا جو قریبی رشتوں کی سگ زدگی سے گھائل ہو کر آشفتہ سر رہتے ہیں اور کبھی نارمل زندگی گزار نہیں پاتے۔ 'چھینٹ کے لحاف' کا مرکزی مردانہ کردار اور اس افسانے کا مرکزی کردار، عورت کی بھیمانہ بے توقیری پر ایک سا رویہ رکھتا ہے اور وہ یہ محسوس کرنے سے قاصر ہیں کہ ان کے اس برتاؤ کے سبب، ان کی ازواج، کس قدر شکستہ ہو چکی ہیں:

"شام کے ہلکے اندھیرے میں وہ آنکھیں پھاڑے شیشے کی مانند ہموار چھت کو دیکھا کرتی اور اسے وہ چھت غیر محسوس طور پر نیچے کو جھکتی محسوس ہوتی۔ وہ گھبرا کر آنگن میں نکل

آتی اور گہرے لمبے سانس لیتی اور بسیرا لینے والے کوؤں اور چیلوں کو عجب یاس انگیز نظروں سے تکا کرتی۔۔۔۔وہ بھی انہیں کی طرح تنہا اور دوسروں سے الگ تھلگ اور بے تعلق سی تھی۔ پھر وہ سوچتی، یہ بے مقصد زندگی بھی کس قدر مشکل اور تھکا دینے والی تھی۔ کسی منزل کے تعین کے بغیر کوئی چلے تو کہاں تک چلے۔۔۔۔نہ راہ طے کرنے کا جذبہ، نہ گوہر مقصود پا لینے کا ولولہ۔"6

افسانہ 'سرد خانہ' انسانی مزاج کی بوقلمونی اور خصوصاً نسوانی کرداروں کی ہمہ وقت بدلتی نفسی کیفیت کو مرکز نگاہ بناتا ہے۔ مرکزی کردار 'چھنو' کو آسودگی سے زیادہ، بک باشی میں لطف آنے لگتا ہے اور وہ اسی اسٹیج کا حصہ بننے کو تیار ہے جہاں اس کے لیے، ہمہ وقت اذیت اور تکلیف ہے۔

'پابہ جولاں' بھی شکستہ، ٹوٹ پھوٹ کے شکار کرداروں کی نفسی حالتیں سامنے لاتا ہے۔ افسانہ پڑھتے ہوئے بے دریغ فراقؔ گورکھپوری کا یہ شعر ذہن میں دوڑنے لگتا ہے:

؎اس دور میں زندگی بشر کی بیمار کی رات ہو گئی ہے

یہاں کرداروں کی شکستگی کے کئی رخ سامنے آتے ہیں؛ بظاہر باہر سے مضبوط اور توانا لیکن اندر سے گھُن لگے شجر کی مانند جو اپنے ہی بوجھ سے ڈھے رہے ہوں۔ ابا کی مضبوط شخصیت، ان کا معمولی باتوں پر برہم ہونا اور غضبناکی میں بیٹی 'یاسمین' کو بچپن میں، ماں سے الگ کرتے ہوئے دوسری چارپائی پر پٹخ دینا کہ وہ ان کے بدنی سرور میں مانع ہو رہی تھی، ان سب تلخیوں کو بھلانا ایک حساس فرد یعنی یاسمین کے لیے انتہائی مشکل ہے۔ در حقیقت یہ ان کی کہانیوں کی ایک بڑی تقسیم ہے کہ سماج میں مہذب، غیر مہذب، حساس اور غیر حساس، درد مند اور بے درد لوگوں کا اکٹھ ہے اور ان میں خود اذیتی کی زندگی گزارنے والے، وہ بد قسمت لوگ ہیں جنھیں دردمندی اور ترحم ودیعت ہوا، وہی سزا پاتے ہیں اور ذات کے بھنور سے نکلنے میں زندگی بِتا دیتے ہیں۔ یہ شاہکار افسانہ ایک طرح سے براتِ نسواں (Woman emancipation) کی تفسیر ہے۔ مغرب میں تانیثیت کی تاریخ اور ہمارے سماج میں، اس ضمن میں ہونے والی کاوشوں میں، عفراء کا نام ہمیشہ ایک معتبر حوالہ رہے گا۔ عورت کیوں کسی سے گھٹ کر رہے؟ وہ کیوں ہر بار خود کو قربان کرے اور کیوں اس کا ہر معاملہ میں استحصال ہو؟ اگرچہ افسانے کا انجام مس یاسمین کی کس قدر قلبی قساوت کو سامنے لاتا ہے لیکن مجموعی طور پر یہ افسانہ، خواتین سے کیے جانے والے بہیمانہ سلوک پر، ایک نوع کا تازیانہ ہے:

"بہت دن بعد ابا کے اس خط کو اس نے اپنے بڑے سے بیگ میں سے نکال کر پڑھا۔ اس کا خیال تھا، ابا نے اسے خوب پھٹکارا ہو گا۔ لیکن یہ تو وہی پرانی التجائیں تھیں۔ اس دن ابا اسے ایک سات پردوں والی گیند کی مانند نظر آئے جس کا ایک ایک پردہ ٹپے کھاتے کھاتے ادھڑ گیا

تھا اور اندر کا خلاء صاف نظر آرہا تھا۔ حفاظت کا وہ کھنچا ہوا حصار جانے کب کا کچے دھاگے کی مانند ٹوٹ چکا تھا لیکن اس انکشاف نے اسے مایوس کیا نہ بددل۔ بڑی بے نیازی سے اس نے ابا کے خط کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔"7

ابّا کی بھرپور توانا شخصیت سے محبت اور نفرت کا تعلق اس نے ہمیشہ اپنے اندر محسوس کیا۔ اسے اس بات کا ملال تھا کہ ابا نے اس کی شخصیت کچل کر رکھ دی۔ اس نے ابا کو ہمیشہ گرجتے برستے دیکھا اور کچھ عرصہ بعد، اسے یہ احساس ہوا کہ مردوں کو شاید ایسا ہی ہونا چاہیے۔ نجم سے اس لیے شادی کرنے سے انکار کیا کہ وہ شائستہ تو تھا لیکن زندگی کی صلابت سے محروم تھا۔ وہ جری نہ تھا۔ سینما میں جس لڑکے نے اسے ٹھوکا دے کر گرایا تھا، وہ اسے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ دوسری جانب ابا تھے جو اسکول سے واپسی پر کئی لڑکوں کو محض گھورنے پر پیٹ چکے تھے۔ ہاسٹل میں ابا کا آنا اور ڈھے جانا، یاسمین کے لیے ایک تکلیف دہ تجربہ تھا۔ وہ رات بھر روتی رہی۔ وہ ابا کو اسی وجاہت اور متانت میں دیکھنا چاہتی تھی جس کے سبب اس نے گھر چھوڑا اور برسوں ناآسودگی اور اداسی میں زندگی کا کشٹ کھینچا۔

یاسمین باپ کی جاندار شخصیت کے تفوق کو ہمیشہ محسوس کرنا چاہتی تھی اور وہ اس رویے سے اس قدر مانوس ہو چکی تھی کہ نوجوان اسے تہذیب کی "چھچھوندر" محسوس ہوئے۔ وہ اپنی عمر سے کہیں بڑے، ایک سن رسیدہ ڈاکٹر سے اس لیے شادی پر آمادہ ہوئی کہ باپ کی شخصیت کا پرتو اس میں دکھائی پڑتا تھا۔ باپ کا معدوم ہوتا کردار اب کسی اور میں دکھ رہا تھا۔ انسانی سائیکی کی اس پیچیدہ صورت گری کو، بڑے ٹھہراؤ سے عفراء نے نمایاں کیا اور ہم یہاں ایڈی پس اور الیکٹرا کمپلیکس سے ماوراء ہو کر بھی افسانے کا تجزیہ کر سکتے ہیں کہ اسے اپنی ماں ہمیشہ عزیز رہی۔

عفراء نے معصوم کرداروں کو اپنی کہانیوں میں خاص جگہ دی۔ وقت دائروی طور پر آگے بڑھتے ہوئے انھیں فراموش کرتا ہے۔ زمانہ، زمانے پر گزر جاتا ہے۔ کہیں سے دھاڑیں مارنے کی آواز بھی آئے تو کوئی کان نہیں دھرتا۔ افسانہ "تلاش" کا 'کٹور' وقت کی بے رحمی میں لڑھک جاتا ہے۔ ماں کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے گم ہو گیا ہے۔ ماں کی تلاش کسی ایک افسانہ میں ظاہر نہیں ہوئی۔ وہ کبھی گھر پر بیمار ہے تو کبھی ہسپتال میں، اور کہیں گھر سے نکال دی گئی ہے۔ غرض رشتے کا یہ خلاء کہانیوں میں کئی طرح سے کُلبُلاتا ہے۔

افسانہ 'آرزو کی موت' جس طبقہ کی محرومی کا عکاس ہے وہ ہمارے سماج کے بڑے حصے پر مشتمل ہے۔ خطِ غربت سے نیچے زندگی کرنے والے وہ بدقسمت لوگ، جنھیں آسودگی سے ایک وقت کی روٹی بھی میسر نہیں، زندگی کرنے کو جب بھٹکتے ہیں تو ڈھنگ سے بھٹکا بھی نہیں جاتا۔ یہی سبب ہے کہ جب گھر کے معصوم کردار، ایک ایک کر کے بچھڑنے لگتے ہیں تو ماں کو ان کے بچھڑنے پر قلق نہیں:

"اس کی چھوٹی بہن ایک دن گلی میں کھیلتے ہوئے کسی کی پھینکی ہوئی کیڑے والی
ناشپاتی نگل گئی تھی۔۔۔وہ مر گئی اور پھر کبھی نہ آئی۔اس کی دوسری دو چھوٹی بہنیں یکے بعد
دیگرے جانے کہاں غائب ہو گئی تھیں۔وہ بھی کبھی لوٹ کر نہ آئیں۔اس نے کئی بار انھیں
خواب میں برے حالوں دیکھا تھا۔مگر ماں کو ان کے جانے کا غم نہ تھا۔وہ اکثر کہا کرتی:"اچھا ہوا
وہ چلی گئیں۔وہ جہاں بھی ہوں گی، پیٹ تو بھر لیتی ہوں گی۔"8

دکھوں کی بہتات اور غربت کی پھیلی دھوپ، انسان کو بے حس بنا دیتی ہے۔وہ اپنوں کے لیے بھی ،ولن بن جاتا ہے۔ماں ایسا مقدس رشتہ بھی، اولاد کے لیے ڈائن بن سکتا ہے۔بیٹی کو خود اپنے ہاتھوں، پامال کرنے پر آمادہ ہے؛لیکن لگتا یہ ہے کہ پیٹ کی بھوک ختم کرنے کو جو انتہائی قدم اٹھایا گیا ہے،اس پر چلنا ان کے بس کی بات نہیں۔اس کے لیے بھی کسی ماہر، آزمودہ کار کی ضرورت ہے جو انھیں میسر نہیں۔اپنے طور پر بدی کا راستہ انتخاب کر کے جب اس پر چلنے کی کوشش کی تو لڑکھڑا گئیں، اور یہی "آرزو کی موت" ہے۔بے کس خواتین کا یہ ذلت آمیز چناؤ، خود ان کے لیے کس قدر اذیت کا باعث ہے، اس کا بیان، مکمل تاثریت کے ساتھ،اس کہانی میں موجود ہے۔اسے ہمارا المیہ کہیے کہ ہمہ وقت، ہم سیاست کے مباحث سمیٹتے ہیں۔سیاست کی اس چھتری تلے، سماج کے مختلف حصوں میں جو اتھل پتھل ہو رہی ہوتی ہے۔لوگ جو لحہ لحہ جیتے اور مرتے ہیں ان کا دِقت سے تعارف پیش کرنا، ایک بڑے قلم کار کا سماج پر ایسا احسان ہے جسے فراموش کرنا ممکن نہیں:

"زندگی گویا لعنت کا ایک ایسا مقفل طوق بن کر گلے میں لٹک گئی تھی جس کی چابی کہیں کھو گئی ہو۔۔۔نہ اتارے بنے نہ اٹھائے بنے۔عجب مصیبت تھی۔"9

ان کہانیوں میں، سماج کی بدترین شکست وریخت، ایک سبھاؤ کے ساتھ اکھٹی کی گئی ہے جیسے کوئی سگھڑ بی بی جھاڑو لگا کر، آنگن کا گند ایک کونہ میں ڈال دے اور دکھائے کہ یہ ہے وہ گند!جو تمہاری نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔اسے غور سے دیکھو!یہ تمھارا ہی گند ہے۔یہ نہیں کہ یہ کام پہلی بار کسی افسانہ نگار نے کیا۔ان سے قبل متعدد لائقِ ذکر کہانی کار یہ کام سر انجام دے چکے ہیں۔عفراء نے ان سب کے مابین اپنے لیے ایک اسپیس(Space) تخلیق کی ہے۔ان کی کہانیوں کی بھرپور گنجائش موجود تھی۔

افسانہ "آنکھ اور اندھیرا" جس کی ایک ڈیڈھ لائن ہم اوپر واوین میں دے چکے ہیں، سماج کی ایک اور کجی کو پیش کرتا ہے۔لڑکیوں کا گھروں سے نکل جانا،اس پر ماں باپ کا اندوہ اور پھر ایک ثقیل حساسیت اور احتیاط ،گھر کے دیگر افراد کے لیے ناقابلِ برداشت تجربہ ہے۔ان سب کا نقش کمال مہارت سے ابھارا گیا ہے۔اسلوب اور موضوع، اپنی تاثریت اور تشبیہات کے ساتھ قاری کو مسلسل متاثر کرتا ہے اور یہ احساس دلاتا ہے کہ لکھنے والے کو اپنے بیانیہ پر کامل قدرت ہونی چاہیے۔موضوع کہیں بھٹکنے نہ پائے اور جس فکری لمس کے ساتھ کہانی

شروع کرے، اختتام تک اسے قائم رکھے۔ عفراء کا یہ کمال ہے کہ وہ اپنے موضوع کے ساتھ چمٹ جاتی ہیں اور خوب جانتی ہیں کہ کہانی کو کہاں اور کب خدا حافظ کہنا ہے۔

افسانہ "گھر کا مالک" کا آغاز حساس بیانیے سے ہوتا ہے۔ ڈھلتی عمر میں بے توقیری اور موت کا شدید احساس کہانی کا مرکزہ ہے۔ بدن میں بڑھتی ہوئی خنکی، ارد گرد ٹہلتی موت اور بڑھاپے پر مسلط اپنوں کی مغائرت یہ سب افسانے کی مختلف سطحیں ہیں جنھیں کہانی کار کسی ماہر نفسیات کے مانند سلیقگی سے پیش کرتا ہے۔ انسان، زندگی گزار دینے پر جب پلٹ کر دیکھتا ہے تو متعدد مکاشفات سامنے آتے ہیں، اور اسے جو شے شدت سے دباتی ہے وہ اس کی کم حیثیتی ہے؛ اس سے متفق ہونا آسان نہیں:

> "کبھی بند دروازوں کے پیچھے سے ہنسنے بولنے کی ملی جلی آوازیں سنائی دیتیں تو انسانوں کی پیاس اس کے اندر بھڑک اٹھتی اور وہ چوری چوری، دبے دبے، کبھی بند دروازوں کو تھوڑا سا کھول دیتا۔ بس اتنا کہ اس کی دونوں آنکھیں اندر کا حال اسے بتا سکیں۔ مگر اس کی عینک بجلی کی روشنی میں چمک اٹھتی اور کوئی ڈانٹ کر پوچھ بیٹھتا: کیا بات ہے ابا جی۔ اور وہ بوکھلا کر اندر آجاتا۔"[10]

بڑھاپے میں اپنی اہمیت جتانے کو اس سے جو فعل سرزد ہوا، وہ گھر والوں کے لیے بچگانہ حرکت کے سوا کچھ نہیں لیکن اس بوڑھے نے اپنے ہونے کا احساس دلا کر، در حقیقت، خود اپنی موجودگی کو محسوس کرنے کی کوشش کی ہے یعنی وہ اب تک زندہ ہے اور چل پھر رہا ہے۔

افسانہ "ہدف" عفراء کے مشکل ترین افسانوں میں سے ایک ہے۔ ایک انسان بظاہر جانور کا مقابلہ کر رہا ہے لیکن حقیقت میں، یہ جانور کا جانور سے مقابلہ ہے۔ یہاں پھر عفراء کا فکری ڈسکورس قاری سے مکالمہ کرتا ہے کہ انسانوں کی ایک بڑی تقسیم، نفس کی عارفانہ تہذیب سے متعلق ہے۔ یعنی پستی اور بلندی کا تعین بیشتر، انسان خود کرتا ہے اور انسانوں کی بڑی تعداد، کم تر درجہ پر زندگی کر کے، گزر جاتی ہے، اور انھیں ملال تک نہیں ہوتا۔ یہ ملال اور دکھ، حساس افراد کے لیے ہے۔ اسی لیے بعض انتہائی پیچیدہ موضوعات ان کی کہانیوں میں در آئے۔ دفتر میں جاروب کش اور کبھی کبھار مہم شروع ہونے پر کتوں کو مارنے والا شخص، معمولی رقم کے عوض، انسانیت کا گلا گھونٹ سکتا ہے، یہ کہانی اس تلازمے کو آگے بڑھاتی ہے۔ جاروب کش ایک کتیا سے کئی درجہ نیچے کھڑا نظر آتا ہے۔ پستی کا یہ چناؤ اس کا اپنا اختیار کردہ ہے۔ عفراء نے اس کہانی میں انتہائی پر خطر سطح پر، کتیا کے مافی الضمیر کو جس طرح بیان کیا ہے، وہ دل دہلا دینے والا ہے۔ عموماً ایسی کہانیوں میں معروضی انداز ابرتا جاتا ہے اور لکھاری مشاہداتی یا وقوعاتی بیانیہ ہی مناسب خیال کرتا ہے؛ لیکن، عفراء نے ایک مشکل صورت کا انتخاب کیا اور جانور کے جملہ جذبات کی توضیح میں، جانور ہی کے قالب میں داخل ہو جانا ایک مشکل کام ہے۔ کہانی کا اسلوب

ان کی دیگر کہانیوں میں موجود، اسی لطافت کو لیے ہوئے ہے جو وہ نفس انسانی کی صراحت میں کمال مہارت سے برتتی ہیں:

"کڑکی میں روٹی یا پنیر کا ٹکڑا پھنسا کر وہ بڑی ہوشیاری سے چوہے پکڑتا۔۔۔ یہ بڑے بڑے، موٹے بھدبھداتے چوہے اس کی کڑکی میں آن پھنستے۔ وہ ان پھنسے ہوئے چوہوں کی زرد زرد آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا تو وہ ایک بالکل دوسرا آدمی ہوتا۔۔۔ ایک بھرپور اور پر اعتماد آدمی۔ وہ بڑے دبدبے سے انہیں برا بھلا کہتا اور وہ سارے برے برے غلاظت میں لتھڑے الفاظ، جو وہ سنتا تھا، ان کے لمبے کانوں میں انڈیل دیتا اور دبی ہنسی ہنستا اور ایسے لہجے میں دھیرے دھیرے بولتا کہ کوئی دوسرا سن کر بھی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ "بدمعاشو۔۔۔۔ اچکّو۔۔۔۔ میسنو۔۔۔۔ وہ ہولے ہولے لفظ دبا دبا کر انہیں کہتا اور کافی مسرور ہوتا۔ اس کے بس میں نہیں تھا ورنہ وہ ایک آدھ تھپڑ بھی انہیں رسید کر دیتا۔"11

یعنی وہ گالیاں جو وہ دفتر کے جملہ ملازمین کو براہِ راست دینے سے قاصر تھا، چوہوں کے حیلہ سے بے دھڑک دیتا تھا۔

افسانہ "نامحرم" عورت اور مرد کے پیچیدہ تعلق کی ماہرانہ گرہ کشائی ہے۔ برسوں ساتھ رہنے کے باوجود، ڈھنگ سے ایک دوسرے کو نہ جاننا اور خاص طور سے مرد کی جانب سے بے مقصد اور بے سمت تشکیک، کہانی کا اصل موضوع ہے۔ یہ ایک ایسے مرد سے متعلق ہے جو مرتے ہوئے بھی دل کی بات، شریک حیات سے کرنے پر آمادہ نہیں۔ نجانے اس نے یہ کیوں مان لیا کہ اس کی شریکِ حیات اس کے مرنے پر رضامند ہے۔ ہمارے سماج میں، مرد کے گزر جانے پر، اسی لمحہ ازواج کو عموماً "نامحرم" کے درجہ پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ ایک وفادار بیوی کے لیے اس کٹیلے لفظ کو برداشت کرنا آسان نہیں۔ لیکن عفراء نے یہاں اس لفظ کو دوہرے معنوں میں استعمال کیا۔ یعنی یہ نامحرمی، مرد کے مرنے پر عورت کے حصہ میں نہیں آئی بلکہ زندگی بھر شوہر اس کے لیے نامحرم رہا۔ وہ پاس ہوتے ہوئے بھی دور۔۔۔ بہت دور رہا۔ ایک انجانا سا، لاتعلق رشتہ۔ یہ تکلیف دہ صورت، مہارت سے پیش ہوئی اور چند مواقعوں پر ہمیں نفسِ انسانی کی معرفت پر، بے دریغ داد دینا پڑتی ہے۔ ایک خوابیدہ صورت جو تجرید میں کچھ یوں داخل ہوتی ہے:

> "وہ بیڈ پر ساکت لیٹا سامنے دیوار کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے لگا جیسے وہ دیوار آہستہ آہستہ کسی تاریک گہرے خلا میں بدل رہی ہے اور وہ جیسے اس تاریک خلا میں اترتا جا رہا ہو۔۔۔ اور اس کی آنکھیں ان اندھیرے خلاؤں میں کہیں گم ہو جائیں اور وہ کچھ بھی دیکھ نہ پائے۔۔۔۔ ٹھنڈا پسینہ اس کے ماتھے پر چھا جاتا۔ وہ دیوار سے نظریں ہٹاتے بھی خوف کھاتا۔۔۔۔ کہیں دیوار نہ کھو جائے اور وہ بند دروازے کے اندھیرے میں اکیلا رہ جائے۔"12

افسانہ "فاصلے" جو عفراء کے پہلے افسانوی مجموعہ کا نام بھی ہے، اس پر راقم کی جانب سے ایک جدا مضمون کی تسوید ہو چکی ہے۔ یہاں اس پر مزید گفتگو، تکرار کے مصداق ہے۔ البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ عفراء نے سماج کے ان کمزور طبقات کو اپنی کہانیوں کا منضبط حصہ بنایا جن میں معصوم اور حالات زدہ بچے، خاص طور سے شامل ہیں۔ یہ ایک شعوری کاوش تھی اور یہی سبب ہے کہ قریباً ایک درجن کے قریب افسانے ان ہی معصوم کرداروں کے گرد گھومتے ہیں۔

عفراء کی کہانیوں سے فکر کی جو ترسیل ہوئی وہ درحقیقت، انسان کو بہتر انسان بنانے کی ایک غیر محسوس جستجو ہے۔ وہ انسان کو نہ تو فرشتہ بنانا چاہتی ہے نہ ہی شیطان کا پیروکار بنتے دیکھ سکتی ہے۔ وہ اپنے عہد کے انسانوں کو مہذب، حساس اور دردمند دیکھنا چاہتی ہے۔ وہ انسانوں کے ضائع ہونے، ان کے بے مقصد مٹ جانے پر رنجیدہ ہے۔ اسد محمد خان کے ہاں بھی، اس فکری تلازمے کو جانچا جا سکتا ہے۔ عفراء نے عورتوں، بچوں اور غربت سے نبرد آزما طبقے کی بے انت محرومیوں کو اپنے قلم کا محور بنایا۔ کہانیوں میں بار بار ایسے موضوعات کا تنوع سے چناؤ ہوا، تاکہ بہتر طور پر ناآسودگیوں کی مکروہ صورتیں سامنے آئیں۔ اس ضمن میں جو شے خاص طور سے متاثر کرتی ہے وہ ان کی معرفتِ نفسِ انسانی ہے۔ جس مہارت سے وہ انسان کے جملہ خیالات اور محسوسات کو بیان کرتی ہیں اس پر ایک بڑا لکھنے والا رشک ہی کر سکتا ہے۔ انسانی مزاج سے انھیں کس قدر آشنائی تھی اور وہ انسان کے داخل کے تموج کو سامنے لانے پر کس قدر قادر تھیں، یہ سب ان کی کہانیوں میں جلوہ گر ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نئے لکھنے والوں کو، عفراء کی کم از کم دس کہانیاں ضرور پڑھنا چاہئیں تاکہ انھیں افسانے کی بنت، ساخت اور بیانیے کی مشقت کا صحیح معنوں میں عرفان حاصل ہو۔

حوالہ جات اور حواشی

1: حلقہ اربابِ ذوق لاہور کے خصوصی اجلاس میں (گفتگو کرتے ہوئے) مورخہ مارچ 2018ء

2: عفراء بخاری، آنکھ اور اندھیرا (لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، جون 2009ء) ص 32

3: https://www.poemhunter.com/thomas-stearns-eliot/

4: عفراء بخاری، نجات، (لاہور: عفراء پبلی کیشنز، جولائی 1998ء) ص 44

5: ایضاً۔ ص 93

6: ایضاً۔ ص 54

7: ایضاً۔ ص 108

8: ایضاً۔ ص 83

9: عفراء بخاری۔ آنکھ اور اندھیرا۔ ص 61

10: ایضاً۔ ص 81

11: ایضاً۔ ص 87

12: عفراء بخاری، سنگِ سیاہ (لاہور: عکس پبلی کیشنز، 2021ء) ص 59